مسلمانوں کے تعلیمی انحطاط کے اسباب اور ان کا سدِّ باب

ڈاکٹر ابوالوفا محمود*

آج دنیا کے نقشہ میں مسلمانوں کی تصویر روز بروز دھندلی ہوتی جا رہی ہے۔اس کی بنیادی وجہ ان کی تعلیم سے غفلت اور لاپرواہی ہے۔تعلیم کسی قوم، ملک یا معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ایک دور میں یہی تصویر اپنے تمام رنگوں کے ساتھ بڑی نمایاں تھی ۔اگر آج کی تصویر کو واپس اسی رنگ میں لانا چاہتے ہیں تو ہمیں تعلیمی پسماندگی کو مسلم معاشرے سے ختم کرنا ہوگا۔ایک ایسا نظام تعلیم وضع کرنا ہوگا جو مسلم معاشرے کی ذہنی تربیت، اخلاقی نشوونما، دماغی استعداد اور قلبی اطمینان کا ضامن ہو۔تعلیم ہی معاشرے کے بنانے اور بگاڑنے کا ذریعہ ہے۔قوم کو جس طرح کے افراد کی ضرورت ہوتی ہے وہ تعلیم ہی کی بدولت قوم کی امنگوں پر پورے اتر سکتے ہیں۔آج اگر مسلم معاشرہ حقیقی علم پر اپنی گرفت مضبوط کر لے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس وقت جس مایوسی، تاریکی اور پسماندگی کا شکار ہے اس کے بُرے اثرات سے نہ بچ سکے، بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی ان خطرات سے بچایا جا سکتا ہے۔معاصر تعلیمی نظریات میں ترقی پسندیت کے مطابق ''تعلیم زندگی کے لئے تیاری کا نام نہیں بلکہ بذات خود زندگی ہے۔'' جب بھی کوئی فلسفی یا مفکر زندگی کے لئے ایک نظام تجویز کرتا ہے تو تعلیم اس نظام کی جزو اعظم ہوتی ہے۔کیونکہ تعلیم کے ذریعے ہی اس نظام کو نافذ کرنے والے افراد پیدا کئے جا سکتے ہیں۔افلاطون نے اپنی کتاب ''جمہوریہ'' میں نظام تعلیم کے حوالے سے بحث کی کیونکہ اسی کے ذریعے اس کا فلسفی بادشاہ پیدا ہوتا ہے۔علامہ محمد اقبالؒ نے بھی مسلمانوں کو زندگی گزارنے کے نظام سے آگاہ کیا جو نظام قرآن کریم کے زریں اصولوں کے مطابق ہے۔علم بذات خود ایک بڑی طاقت ہے کسی بھی قوم کے افراد علم کی آگہی سے طاقتور اور توانا ہوتے ہیں۔علم سے ان کے اندر ایک روحانی قوتِ مدافعت پیدا ہوتی ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے ایک انگریزی مضمون میں اقبال کے فلسفہ تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"Iqbal view of education is also synthetic as well as selective.It is scientific as well as religious. The aim of education according to Iqbal is to develop personality with a view to preparing man for conquest of nature and then achieve the trascendent hights." (1)

اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں علم کی بنیاد پر ساری دنیا کو مسخر

* اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

کیا۔ یورپ نے اپنی تاریکی کو مسلمانوں کے علمی سرمائے کی روشنی میں ختم کیا۔ بلکہ آج بھی اس سرمایہ سے استفادہ کر رہے ہیں۔موجودہ دور میں دنیا کی اسی (۸۰) فی صد دولت اسلامی ممالک کے پاس ہے مگر اس کے باوجود وہ دوسروں کے مرہون منت ہیں۔اپنی دولت کو دوسرے ممالک کے بینکوں میں رکھ کر انہی سے قرض لے رہے ہیں۔زیر نظر مقالہ کا تعلق ان ہی مسائل اور ان کے حل کے حوالے سے ہے۔

اسلام، تصورِ علم :

اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس کی بنیاد علم، بصیرت اور معرفت پر ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اس میں علم کی ہی بات کی گئی۔قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ۔

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ Oخَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍOاقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُOالَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ Oعَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْO۔﴾(۲)

''اے محمد ﷺ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھ جس نے عالم کو پیدا کیا۔جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمھارا پروردگار بڑا کریم ہے۔جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔''

اس سورۃ میں انسان کو پڑھنے کی تلقین اور علم وقلم کو ترقی وتہذیب اور عظمت وکرامت کا ضامن بتایا گیا ہے۔اسی طرح قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ......﴾(۳)

''ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں''

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ......﴾(٤)

''تم میں سے جولوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا، اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔''

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (٥)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں''

اسلام میں علم کی دوئی کا کوئی تصور نہیں کہ یہ دینی علم ہے اور یہ دنیوی علم ہے بلکہ اسلام نے علم کو علم نافع اور علم غیر نافع میں تقسیم کیا ہے۔ ہر ایسا علم جس کا کوئی مقصد ہے یا دینی، اخلاقی، دنیوی فائدہ، اسلام اس کے حصول کی ترغیب دیتا ہے، لیکن ایسے بے مقصد علوم جن سے وقت کے ضیاع کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ان کی اسلام نے پرزور مذمت کی ہے اور ان سے منع کیا ہے۔ مثلاً علم نجوم، علم رمل، جادو کا علم اور فحش لٹریچر وغیرہ۔ اسی طرح ہمیں مغربی سائنس کا بھی عمیق جائزہ لینا چاہیے اس کی اصطلاحات کو اپنے انداز میں سمجھنے کے بعد تصور کائنات کے بارے میں سوچنا چاہیے اور ان اختلافات کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جو تیرھویں صدی میں جدید سائنس اور اسلامی فکر کے

درمیان پائے جاتے تھے جن سے اسلامی سائنس نے جنم لیا۔ہمیں جدید ٹیکنالوجی کے مضر اثرات سے بھی پوری طرح واقفیت ہونی چاہیے۔مثلاً موبائل فون نے لاکھوں انسانوں کو جہاں سہولت دی وہاں اس نے ہمارے باطنی سکون کو تباہ و برباد کر دیا جھوٹ بولنا ہماری عادت میں شامل ہو گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ روح انسانی کا متاثر ہونا ہے۔اگر ہم مغربی ٹیکنالوجی کے مقابلے میں اسلامی ٹیکنالوجی کو ترقی دیں جیسا کہ ازمنہ وسطیٰ میں ہوئی تھی تو ان مضر اثرات سے بچا جا سکتا ہے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے ذہنی رویوں میں تبدیلی لائی جائے۔اس طرح ہم سائنس کی تعلیم کے بارے میں عقلی و روحانی فریم ورک دے سکتے ہیں۔

خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''حکمت و دانش کو اپنا گم شدہ سرمایہ سمجھو اور اس نعمت کو جہاں سے ملے لے لو''۔نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ: ''علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے''

موجودہ دور میں اس حدیث کی روشنی میں چین کی صنعتی ترقی کو دیکھا جائے اور اس کی روشنی میں اپنی تعلیمی پالیسی بنائی جائے تو اگلے دس سالوں میں پاکستان بھی اسی مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں دنیا میں آج چین کھڑا ہے۔نبی کریم ﷺ کو اللہ رب العزت نے وہ بصیرت عطا کی جو آنے والے وقت میں تبدیلیوں کے بارے میں بھی پیشگوئی کر گئے۔شاید اب بھی بعض لوگوں نے اس حدیث کے مفہوم پر پوری طرح غور نہیں کیا۔اس حدیث میں دو ہی باتوں کا ذکر ملتا ہے ایک علم دوسرا چین۔چین کی ترقی کا راز علم میں ہے۔اسی طرح نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ:

"من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له طريقا الى الجنة۔"(٦)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص علم تلاش کرنے کے لئے کوئی راستہ اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔''

اس حدیث میں علم کے حصول پر زور دیا گیا کسی دینی یا دنیوی علم میں کوئی تخصیص نہیں کی گی۔علم کے راستے کو جنت کا راستہ بتایا گیا ہے۔خواہ وہ علم دینی ہو یا دنیوی اگر اس سے انسانیت کو فائدہ پہنچتا ہے تو وہ علم ذریعہ نجات ہے۔اسی طرح نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ:

"الا احد ثكم حديثا سمعته من رسول الله ﷺ لا يحدثكم احد بعدى سمعه منه" ان من اشراط الساعته ان يرفع العلم ، و يظهر الجهل ، و يفشو الزنى، و يشرب الخمر، ويذهب الرجال، و يبقى النساء حتى يكون لخمسين امراة قيم واحد۔"(٧)

''حضرت اُنسؓ سے روایت ہے کہ: کیا میں تمھیں وہ حدیث نہ بتاؤں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اسے رسول اللہ ﷺ سے (براہ راست) سننے والا میرے بعد کوئی نہیں بیان کرے گا (حدیث یہ ہے کہ) قیامت کی نشانیوں میں چند نشانیاں یہ ہیں۔علم (علم دین) ختم ہو جائے گا، جہالت عام ہو جائے گی، بدکاری پھیل جائے گی، شراب پی جانے لگے گی، مردوں کی تعداد کم ہو جائے گی، اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا نگران صرف ایک مرد ہوگا۔''

ان احادیث میں ان خرابیوں کا ذکر کیا گیا جو اخلاقی و دینی انحطاط کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔یعنی کسی بھی قوم کی ترقی علم سے وابستہ ہے۔جب تک مسلمان ان احادیث کی روشنی میں علمی تحقیق میں مصروف رہے اس کی حیرت انگیز علمی ترقی ،انوکھی تحقیقات اور عجیب وغریب انکشافات سامنے آتے رہے ،موجودہ دور میں بھی علوم وفنون پر انہی کی چھاپ نظر آتی ہے۔بقول مولانا الطاف حسین حالی:

غرض فن ہیں جو مایہ دین و دولت   طبیعی، الٰہی، ریاضی وحکمت
طب اور کیمیا ہندسہ اور ہیئت   سیاست ، تجارت، عمارت، فلاحت
لگاؤ گے کھوج ان کا جاکر جہاں تم   نشان ان کے قدموں کے پاؤ گے وہاں تم

یورپ اور مسلمانوں کا علمی سرمایہ:

یورپ نے اپنی تاریکی کو مسلمانوں کے علم کے خزانے لوٹ کر دور کیا۔آج بھی یورپ کی یونیورسٹیوں میں سائنسی تعلیم کی بنیاد مسلمان سائنسدانوں کے تجربات اور فکر پر ہے۔اس کی ایک مثال ابن الہیثم کا نظریہ بصارت ہے جس کا آج تک کوئی متبادل نظریہ پیش نہیں کیا جاسکا۔یورپ کی علمی فتوحات اور سائنسی ایجادات مسلمانوں ہی کے اسلاف کی رہین منت ہیں۔اسی طرح برصغیر کو اپنے علم و ہنر سے ایک جہاں تازہ آباد کرنے والے مسلمان ہی تھے۔آج بھی برصغیر میں حسن کے جو آثار نظر آتے ہیں وہ مسلمانوں کا ہی کارنامہ ہے۔موجودہ دور میں یہ ہرا بھرا اور پھلوں سے لدا ہوا درخت خشک ہونا شروع ہو گیا ہے۔بقول مولانا الطاف حسین حالی:

پھر اک باغ دیکھے گا اجڑا سراسر   جہاں خاک اڑتی ہے ہر سو
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر   ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر
نہیں پھول برابر جس میں آنے کے قابل   ہوئے روکھ جس کے جلانے کے قابل

ساتویں صدی ہجری سے مسلمانوں میں فکر واجتہاد معدوم ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ذہنوں پر جمود، تعطل اور تقلید چھا گئی۔مولانا آزاد نے اس تقلید کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایک بنی ہوئی دیوار کی لیپا پوتی میں سارا وقت اور پوری قوت صرف ہو رہی ہے، مسلمانوں میں فقہ وکلام کے مختلف اسکول اور مکاتیب فکر پیدا ہو گئے ہیں جن کے باہمی اختلاف نے جنگ و جدال کی شکل اختیار کرلی فرقہ واریت اور گروہ بندی نے جمعیت اسلامی کا شیرازہ درہم برہم کر دیا، علوم وفنون کو مختلف خانوں میں تقسیم کر کے ان کی وسعت وترقی کی راہ یکسر بند کر دی گئی، علماء نے تحقیقات کی جانب نگاہ اٹھانا بھی پسند نہیں کیا۔تقلید کے رجحان نے مخصوص نقطہ نظر کی حامل کتابوں کو پڑھنے پڑھانے تک محدود کر دیا اور چن چن کر ایسی کتابیں داخل نصاب ہوئیں جن سے ذہن و دماغ کی کھڑکیاں کھلنے نہ پائیں اور تقلید کے بندھنوں سے لوگوں کو آزادی نہ مل سکی ۔عجمیت کے غلبہ نے علوم وفنون کے زوال کو اس حد انتہا پر پہنچا دیا کہ ان اختراع وایجاد اور جدت واپج کی ساری راہیں مسدود ہو گئی ہیں۔(۸)

تمدن، تصوف ، شریعت کلام   بتان عجم کے پجاری تمام

قدیم زمانے کے مدارس میں علوم کی کوئی تقسیم نہیں تھی اور نہ ہی کسی خاص گروہ کی اجارہ داری تھی، ہر کسی کے ہاں تعلیم عام تھی۔ معاشرے کے ادنیٰ طبقے میں بھی اصحاب علم وفن، ارباب کمال اور مصنفین پیدا ہوتے تھے۔اس دور کے امراء بھی علم کے شیدائی تھے۔ جب سے علم کو پیشہ بنایا گیا اور اس پر مخصوص طبقوں کی اجارہ داری قائم ہوئی تو پست طبقوں سے علم غائب ہو گیا۔

پہلے علم صرف مسجدوں یا علماء کے ایک خاص طبقے تک محدود نہیں تھا بلکہ بازاروں اور بادشاہوں کے محلات میں بھی علم کا چرچا عام تھا، ان کے وزیر، مشیر، اعلیٰ حکام اور فوجی افسران اپنے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ علم بھی حاصل کرتے تھے۔اس کی ایک مثال بوعلی سینا ہیں جب وہ وزارت پر فائض تھے اس وقت بھی طالب علموں کا بڑا گروہ حصول علم کی خاطر ان کے پاس رہتا تھا۔جب سے علم درسگاہوں میں مقید ہو گیا اس وقت سے علم پر انحطاط طاری ہو گیا۔

انگریزوں کے سیاسی تسلط نے ذہن و دماغ کو غلام بنانے کے علاوہ دین اور دنیا کی تقسیم کو فروغ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم بھی دو حصّوں میں تقسیم ہو گئے اور جدید وقدیم کی کشمکش شروع ہو گئی۔جس دور میں مسلمان عروج پر تھے اس وقت اس طرح کی کوئی تقسیم نہیں تھی، ایک ہی طرز کے مدارس تھے جن میں قدیم و جدید یعنی قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، فلسفہ، علم الکلام کے علاوہ سائنسی علوم کی بھی تدریس ہوتی تھی۔اس دور کے مسلمان ایک ہی وقت میں دینی علوم اور سائنسی علوم کے ماہر تھے اس کے ساتھ وہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر بھی فائز رہے۔تاریخ اسلام میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔اس کے علاوہ یہ لوگ اپنے کاروبار اور تجارت بھی کرتے تھے۔لیکن اس کے ساتھ وہ دینی علوم کے سرچشموں سے بھی سیراب ہوتے تھے۔لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مدارس کی تقسیم شروع ہوئی۔ایک کو دینی مدارس کا نام دیا گیا اور دوسروں کو جدید تعلیمی ادارے، سکول، کالج، یونیورسٹی جن میں علم صرف ذریعہ معاش کے حصول تک محدود ہو کر رہ گیا۔لیکن حقیقت یہ ہے اب یہ علم ذریعہ معاش کے بجائے نوجوان نسل کے لئے ذہنی اضطراب کا سبب بن چکا ہے۔دوسری طرف جامعات میں پڑھنے والے طالب علم دینی تعلیم سے بھی محروم رہ گئے۔دینی مدارس میں پڑھنے والے طالب علموں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا وہ بھی معاشی الجھنوں کا شکار ہو گئے۔جن کے ہاتھ میں قرآن ہونا چاہئے تھا انہوں نے مادیت پرستی کو اپنا شعار بنا لیا۔اس کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک   نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

علوم و مدارس کی تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے اپنے ہی وطن عزیز میں اجنبی اور بیگانے ہو گئے نیز موجودہ زمانہ کے تقاضوں اور مسائل سے بے خبر ہو کر رہ گئے اور ان کی آواز دوسرں کے لئے

نامانوس ہو گئی اس طرح وہ دینی علوم سے واقفیت رکھنے کے باوجود دین کی خدمت کا کام انجام نہیں دے سکے۔اس کے برعکس دنیوی علوم کے ماہرین اپنے آپ کو ماحول میں ڈھال تو لیتے ہیں لیکن دینی علوم سے ناواقفیت کی بنا پر وہ مذہب اور قوم کے مسائل اور ضروریات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ایک کو کشتی نہ ملی اور دوسرے کو ساحل نہ ملا۔دونوں اپنے ملک اور قوم کے لئے بے فیض ہو گئے۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے ملک اور مسلمانوں کے لئے دونوں طرز کے مدارس کی اشد ضرورت ہے۔

امریکن ٹریڈ سنٹر پر ۱۱/۹ کو جو حملہ ہوا اس کے بعد پوری دنیا میں اچانک جو تبدیلی واقع ہوئی اور ملت اسلامیہ جن مسائل سے دوچار ہوئی ان میں سب سے بڑا مسئلہ ان کے قومی اور ملی تشخص کا ہے جس کا دین و ایمان سے ان کی وابستگی اور توحید، رسالت اور عقیدہ آخرت پر قائم رہنے پر موقوف ہے۔ہماری جامعات اور دینی درسگاہوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملت اسلامیہ کے بنیادی نصب العین دین و ایمان کی سلامتی، تہذیبی، اخلاقی اور روحانی قدروں کو تحفظ فراہم کریں یہ کام حکومت نہیں بلکہ ان تدریسی اداروں کا ہے۔وہ مسلمان بچوں میں ایمان و یقین کی ایسی بے پناہ قوت پیدا کریں جو ان کو موجودہ بے یقینی اور اضطراب سے چھٹکارا دلوا سکے۔ان میں ایک ایسی روح پھونک کر ان کی ذہنی قوت و توانائی کا سامان مہیا کرے تا کہ وہ اپنے ذاتی مفادات کو پس و پشت ڈال کر مشترکہ قومی مقاصد کے حصول کے لئے کوشش کریں۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی کسی قوم نے اجتماعی مفاد کے بجائے ذاتی مفادات کو ترجیح دی وہ قوم زوال کا شکار ہو گئی۔اسی طرح جب کوئی قوم مغلوب ہو کر دوسروں کے پنجہ میں پھنس جاتی ہے تو بہت جلد تباہ اور برباد ہو جاتی ہے۔بقول ابن خلدون:

''اس کا راز یہ ہے کہ جب کسی قوم کی زمام اختیار کسی کے ہاتھ میں جاتی ہے اور غلام بن کر دوسروں کی آلہ کار بنتی ہے، اور ان کی دست نگر ہوتی ہے تو سستی و کاہلی کا مادہ اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔قوم کی ہمتیں پست اور امیدیں سرد ہو جاتی ہیں جب سستی سے امیدیں سرد ہو جاتی ہیں اور جوش و نشاط طبع اور دیگر تمدن کے اسباب غائب ہو جاتے ہیں اور عصبیت تو غلبہ کے باعث پہلے ہی عدم کی نذر ہوتی ہے تو لامحالہ ایسے حالات میں لوگوں میں کسب و عمل کا شوق سرد ہونے اور جدو جہد کا مادہ مٹنے لگتا ہے۔مدافعت نفس سے وہ عاجز و قاصر ہو جاتے ہیں۔کیونکہ غلبہ ان کے شوکت و شان کو توڑ مروڑ کر رکھ دیتا ہے۔اب یہ غلبہ آور طاقت سے دب جاتے ہیں۔اور ہر قوی کا لقمہ بن جاتے ہیں، عام اس سے کہ وہ حکومت و تمدن کے معراج کو پہنچے ہوں یا نہیں۔''(۹)

تعلیم کے مقاصد میں ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ وہ قوم کے تشخص کو قائم و دائم رکھے اور اس ورثہ کو اگلی نسلوں تک منتقل کرے تا کہ یہ نسل ان مقاصد کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتی رہے۔قوم کے بچے ان مقاصد سے آگاہ رہیں ان کے اندر یقین کی روح پیدا ہو اور اس کا عملی مظاہرہ کر سکیں۔یوں ان کے اندر خطرات سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا ہو گی۔اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کا نظام تعلیم ایسا ہو جس میں قومی مقاصد کے جذبات کی پرورش ہو۔ان کی

درس گاہوں سے تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم ذریعہ معاش کے حصول کے لئے سڑکوں پر گھومتے پھرتے نظر نہ آئیں بلکہ ایک زندہ اور بیدار قوم کے افراد کی تخلیق کریں۔ درسگاہیں ان کو ان کی زندگی کے مقاصد سے آگاہ کریں۔

زمانے میں تبدیلی ایک فطری عمل ہے۔ موجودہ دور سائنسی ترقی کا دور ہے۔ نئی نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں لیکن اس کے ساتھ اسلام ایک دائمی اور مکمل دین ہے جس پر کوئی انقلاب وتغیر اثر انداز نہیں ہوتا البتہ اس میں ایک معنویت اور تازگی پائی جاتی ہے جو نئے حالات ومسائل سے عہدہ برآ ہونے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ قرآن پاک میں جا بجا تدبر، تفکر اور تعقل کی دعوت دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ بہترین معلم تھے آپ ﷺ نے عقل انسانی کی ایسی تربیت کی کہ وہ مشکلات اور دشواریوں کا مقابلہ کر سکے۔ لیکن مسلمانوں کے جمود وتعطل نے دنیا کو یہ باور کروا دیا کہ نعوذ باللہ اسلام میں زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے بارے میں کوئی رہنمائی نہیں ہے۔

مسلمانوں کے تعلیمی انحطاط کے اسباب:

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا اصل سبب یہی ہے کہ اپنے جمود کی وجہ سے دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کے حق میں نہیں دوسری طرف جامعات کے نصاب میں دین کے حوالے سے کوئی ایسا مربوط نصاب بھی شامل نہیں جو نوجوان نسل کو دین کے بارے میں اصل حقائق سے روشناس کروائے۔ ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں جس کے مطابق نصاب تعلیم میں ترمیم ضروری ہوتی ہے جو اس زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں علماء اور مفکرین کے ایک گروہ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور اپنے دور کے نصاب میں جدید علوم وفنون کو شامل کیا۔ عہد عباسیہ میں اسلامی علوم پر یونانی فلسفہ کے اثرات کو محسوس کیا گیا چنانچہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس بات کو محسوس کرتے ہوئے یونانی علوم میں مہارت حاصل کی اور اس کا رد وابطال کیا، امام غزالی نے یونانی علوم کو اپنے نصاب میں اس لئے شامل کیا کہ علماء اسلام ان سے واقف ہو کر الحاد و بے دینی کا سد باب کر کے مذہب اسلام کے بارے میں جو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں، ان کا جواب دے سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ ابن خلدون نے اپنے دور کو مدنظر رکھا اور ایک نصاب تعلیم وضع کیا۔ سرسید احمد کی تحریک علی گڑھ اور ندوۃ العلماء کی تحریک بھی اسی لئے دجود میں آئی تھی کہ پہلے مغربی علوم سے واقفیت حاصل کی جائے پھر اسلام کے بارے میں مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیا جائے۔

رفتار زمانہ کے ساتھ ہر چیز میں تبدیلی آتی ہے۔ جو چیز اس رفتار تغیر کو محسوس نہیں کرتی اس کا وجود مٹ جاتا ہے لہٰذا زمانے کے حالات وتقاضوں کو نظر انداز کرنا قومی وملی وجود کی موت کو دعوت دینا ہے۔ لیکن یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مذہب میں اصلاح اور ترمیم نہیں ہے وہ مکمل اور غیر متغیر ہے۔ لیکن تعلیم کے نصاب میں تبدیلی خود نبی کریم ﷺ کی اپنی زندگی سے بھی ثابت ہے جس کو اجتہاد کا نام دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ صحابہؓ کھجوروں کے درختوں پر زرد دانہ (pollen grain) کو جھاڑ رہے تھے نبی کریم ﷺ وہاں سے گزرے اور فرمایا تم لوگ وہ کام

کیوں کرتے ہو جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔صحابہؓ نے فوراً جھاڑنا چھوڑ دیا۔ اس سال کھجور کی پیداوار کم ہوئی پھر نبی کریمﷺ نے فرمایا دین کے معاملے میں تم وہی کر سکتے ہو جو میں کہوں مگر دنیاوی معاملات میں تم اپنی عقل کے مطابق بھی کر سکتے ہو۔دوسرے سال صحابہؓ نے دوبارہ جھاڑ کی تو اس سال کھجور کی پیداوار پہلے کی نسبت زیادہ ہوئی۔موجودہ دور میں سائنس نے یہ ثابت کیا ہے وہ پودے جن میں نر اور مادہ الگ ہوتے ہیں ان میں قدرتی جھاڑ کے علاوہ جو ہوا، پانی، حیوانات کے ذریعے ہوتی ہے مصنوعی طور پر جھاڑ کی جا سکتی ہے جس سے پیداوار کے بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں ۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا کہ وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق نصاب میں تبدیلی اس وقت کی اہم ضرورت ہوتی ہے۔

نظامِ تعلیم ،اور عصرِ حاضر کے تقاضے:

موجودہ دور میں مسلمانوں کے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم میں ایسی تبدیلی ناگزیر ہے تا کہ جدید جامعات کے اساتذہ دین سے نا آشنا نہ رہیں اور اپنے معاش کی فکر میں دین اور ملت کا سودا نہ کریں اسی طرح دینی علوم کو حاصل کرنے والے طلباء جدید خیالات ونظریات سے بھی آگاہ ہوں تا کہ ان کی تعلیمات زمانے کے بدلتے ہوئے اسلوب کے مطابق ہوں۔دینی علوم کے ساتھ جدید علوم کی تعلیم بھی ضروری ہے اسی طرح جدید تعلیم کے ساتھ دینی علوم کی تعلیم بھی ضروری ہے، اب سائنس، ٹیکنالوجی، میڈیسن ، سرجری، فلسفہ جدید، معاشیات، سیاسات، نفسیات، عمرانیات، جغرافیہ اور تاریخ کے علاوہ بین الاقومی اور علاقائی زبانوں کی تعلیم بھی شامل ہونی چاہیئے۔کیونکہ ان کے حصول کے بغیر مسلمانوں کا شمار ترقی یافتہ ممالک میں نہیں ہوسکتا۔دینی علوم سے ہماری آخرت کی زندگی سنورتی ہے تو دنیاوی علوم سے دنیا کی زندگی میں بہتری پیدا ہوتی ہے۔انسان کا مقصد بھی یہی ہے دونوں کو بہتر بنائے۔ نبی کریمﷺ کثرت سے یہ دعا پڑھتے تھے قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾(۱۰)

''پروردگار ہمیں دنیا میں اچھا اور آخرت میں بھی عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ''

اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ مذہبی تعلیم گاہوں میں جدید تعلیم کا آغاز ہو اور جامعات جن میں دنیاوی تعلیم دی جاتی ہے ان میں دینی تعلیم کا بندوبست ہو تا کہ وہاں سے فارغ ہونے والے طلباء اپنے دین و مذہب، اپنے عقائد وتعلیمات سے واقف ہوں۔ اس طرح ہماری جامعات پہلے کی طرح ایک طرف جابر بن حیان، فارابی، ابن الہیثم ، بوعلی سینا اور البیرونی جیسے سائنس دان اور محققین پیدا کر سکتے ہیں اور دوسری طرف امام غزالی، ابن رشد، امام رازی، ابن تیمیہ اور ابن خلدون جیسے نابغہ روزگار علماء کو جنم دے سکتے ہیں۔

یہ بات بھی اپنی جگہ بجا ہے کہ دینی مدارس اور جدید تعلیم کی جامعات کا کورس پہلے سے ہی بھاری ہے۔اس میں نئے مضامین کے اضافے سے مزید بوجھ بڑھے گا۔اس کا ایک حل موجود ہے کہ دینی مدارس میں منطق اور فلسفہ کی تعلیم

پر کم وقت دیا جائے یا کورس کی مدت بڑھا دی جائے اگر ایسا ممکن نہ ہو تو دینی علوم کی تعلیم کی ان درسگاہوں کے طلباء کو مزید دو سال جدید علوم کی تعلیم دی جائے۔ اگر ایسا ممکن نہیں تو بھی اس کا ایک اور حل موجود ہے اب جبکہ ہم تعلیمی پالیسی میں ۱۸ سالہ تعلیم کی پالیسی اپنا چکے ہیں تو بی۔اے یا بی۔ایس۔سی (آنرز) جو کے چار سالہ کورس ہے اس میں ہم دو سال فقہ، قرآن، حدیث اور تفسیر کی تعلیم کے لئے مختص کر سکتے ہیں یوں چار سال میں ایک طالبعلم جو بی۔ایس۔سی آنرز یا بی۔اے (آنرز) کی ڈگری حاصل کرے گا وہ جدید علوم کے ساتھ دینی علوم میں بھی مہارت رکھتا ہوگا۔ دونوں قسم کی درس گاہوں میں ذہین اور غیر معمولی صلاحیت رکھنے والے طالب علموں پر خصوصی نظر رکھی جائے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ایسا تعلیمی نظام وضع کرنے میں خاصی دشواری ہے لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا محنت و مشقت کے بغیر مسلمانوں کی پسماندگی دور نہیں ہوسکتی۔ اگر ہم نے اپنا ہاتھ وقت کے بدلتے ہوئے حالات کی نبض پر نہ رکھا تو ہم اپنے مذہب، اپنی ملت، اپنی قوم، اپنے ملک اور انسانیت کی کوئی خدمت نہ کرسکیں گے۔ امریکہ ایک سیکولر ملک ہے اس میں سوشل سائنسز کے طلباء کو کم از کم اٹھارہ کریڈٹ آورز کے سائنس کورسز پڑھنے ہوتے ہیں اسی طرح سائنس کے طلباء کو سوشل سائنسز کے کورسز پڑھنے ہوتے ہیں۔ یوں وہ اپنا ٹائم ٹیبل مرتب کر لیتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علوم جدیدہ کی تعلیم ہم پر فرض نہیں ہوئی دوسرا اس سے ہمارا دین و ایمان برباد ہو جائے گا۔ اس لئے صرف دینی تعلیم کی تحصیل تک ہی محدود رہا جائے تو بہتر ہے۔ اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ کوئی بھی علم اگر انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے حاصل کیا جائے تو وہ خیر ہے بلکہ عبادت کے درجے میں آتا ہے۔ اور اگر اس سے انسانیت کا استحصال مقصود ہو تو شر ہے۔ اگر خلوص نیت سے دینی علوم بھی نہ حاصل کیے جائیں تو وہ قوم وملت کے لئے انتشار کا باعث بنتے ہیں مولانا روم نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

علم را بر تن زنی مارے بود   علم را بر دل زنی یارے بود

سائنسی وسماجی علوم کی معنویت و اہمیت:

قرآن کریم کائنات اور اس کی موجودات عالم پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے اس کے ساتھ یہ ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ آفاق و انفس کا مشاہدہ کیا جائے اور اشیاء کے حقائق معلوم کئے جائیں اور ارض وسما اور بحر و بر کو مسخر کیا جائے یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہے جب دینی علوم کے ساتھ سائنسی علوم بھی حاصل کئے جائیں۔ اس طرح سائنس اور ٹیکنالوجی ہو یا دنیا کا کوئی اور علم وفن ہو اس سے دین اور ایمان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں۔ اور نہ وہ اسلام اور قرآن سے متصادم ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے ان علوم کو اسلام سے ہم آہنگ کیا جائے۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے پڑھے لکھے قیدیوں سے مسلمان بچوں کو تعلیم دلائی۔ کیا وہ قرآن کی تعلیم تھی یا دنیوی تعلیم؟۔ قرآن پاک میں ۷۵۶ آیات ایسی ہیں جو مظاہر فطرت کے مطالعہ پر زور دیتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات میں سائنس کے علم پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ﴾ (۱۱)

''خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے مینہ برسایا۔ پھر اس سے تمھارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے''

بقول سید حسین نصر:

''ہمیں دنیائے اسلام میں جہاں تک ہو سکے، ایسے علاقے قائم کرنے چاہیں جہاں عالم فطرت اور سائنس کے اسلامی تصور پر مبنی متبادل ٹیکنالوجی پر تجربے کیے جاسکیں، بالخصوص طب، دواسازی، زراعت اور دوسرے شعبوں میں جہاں تجربے ہو سکتے ہوں۔ امید ہے کہ نت نئے مہلک اور تباہ کن ہتھیار بنانے کا جنون جس کی وجہ سے دنیا میں تباہی اور بربادی آرہی ہے بتدریج ختم ہو جائے اور انسانیت کی رمق باقی رہ جائے جو مقدس اور روحانی طور پر معتبر سائنس کا بیج بو سکے اور آئندہ مستقبل کے لئے عالم فطرت سے ہمارا سچا تعلق قائم کر سکے'' (۱۲)

اسی طرح اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ:

﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفاً أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ۔﴾ (۱۳)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خُدا نے آسمان سے مینہ برسایا تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کئے۔ اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور بعض کالے سیاہ ہیں۔''

قرآن کریم اس طرح کے کئی سائنسی رازوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ہم نے بعد میں دریافت کئے اگر اللہ رب العزت ان میں سے کسی ایک عمل کو بھی روک دے مثلاً ہوا کی اجزاء ترکیبی جس میں ۷۸ فی صد نائٹروجن اور ۲۱ فی صد آکسیجن اور ایک فی صد باقی گیسیں پائی جاتی ہیں ان کے توازن میں بگاڑ پیدا کر دے یا بجلی نہ چمکتی یا بارش نہ ہوتی یا نائٹروجن کا چکر مکمل نہ ہوتا تو زمین میں پودوں کو خوراک نہ ملتی تو اس زمین پر بسنے والے کروڑوں انسانوں کو خوراک نہ ملتی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت اپنے اس احسان کے بارے میں فرماتا ہے کہ: ﴿فبای الآء ربکما تکذبن﴾ ''اور تم اپنے پرودگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔ اسی طرح قرآن پاک میں دھاتوں کی تخلیص کا بھی ذکر ملتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَداً رَّابِياً وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ۔﴾ (۱۴)

''اسی نے آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آ گیا۔ اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لئے آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی

جھاگ ہوتا ہے۔ اس طرح خدا حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔ سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور پانی جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اس طرح خدا صحیح اور غلط کی مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

اسی طرح کیمیا میں ہلکے اور بھاری پانی کے بارے میں بحث کی جاتی ہے قرآن کریم میں ہلکے اور بھاری پانی کے بارے میں بڑے واضح اشارے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۔﴾ (۱۵)

''اور دونوں دریا مل کر یکساں نہیں ہو جاتے یہ تو میٹھا ہے پیاس بجھانے والا۔ جس کا پانی خوشگوار ہے اور یہ کھاری ہے کڑوا۔''

اسی طرح عمل تولید جو کہ حیاتیات کا موضوع ہے اس کے بارے میں پہلی ہی وحی میں ذکر ملتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقاً مِن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ ۔﴾ (۱٦)

''اسی نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمھارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے۔ وہی تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹ میں پہلے ایک طرح پھر دوسری طرح تین اندھیروں میں بناتا ہے۔ یہی خدا تمھارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔''

اسی طرح طبیعیات کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ ایسی آیات جن میں سائے کا ذکر ہے یا روشنی کا ذکر ملتا ہے ان میں طبیعیات کے قوانین انعکاس کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿أَوَ لَمْ يَرَوْاْ إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالْشَّمَآئِلِ سُجَّداً لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ۔﴾ (۱۷)

''کیا ان لوگوں نے خدا کی مخلوقات میں ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کو لوٹتے رہتے ہیں یعنی خدا کے آگے عاجز ہو کر سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔''

قرآن کریم میں اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں جن میں سائنسی علوم کے اشارے ملتے ہیں۔ بطور مسلمان ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن کریم تمام علوم کا سرچشمہ ہے یہ ایک مکمل کتاب ہے دینی یا دنیوی علوم اسی کتاب ہدایت سے اخذ ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہمیں جو سائنسی حوالے ملتے ہیں اگر ہم ان چیزوں تک نہیں پہنچ سکتے تو یہ ہماری اپنی کم علمی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم نہ کیمسٹری کی کتاب ہے، نہ بیالوجی کی، نہ ریاضی کی، نہ فلکیات کی، لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کے ہر قسم کے علوم کی بنیادی رہنمائی

کتاب کامل قرآن کریم سے ہی ملتی ہے۔ یہ قرآن کریم کی رہنمائی کا ہی نتیجہ تھا کہ قرون وسطیٰ کے مسلمانوں نے تمام علوم میں ایسی تحقیق کی کہ رہتی دنیا تک ان کا نام زندہ رہے گا۔

تیسری صدی ہجری کے بعد سے کئی صدیوں تک مسلمانوں کی درسگاہیں، تجربہ گاہیں اور علمی مراکز سائنس اور تحقیق کے گہوارہ بنی رہیں جہاں سے متعدد مفکرین، دانشور، محققین، ماہرین علوم و سائنس دان پیدا ہوئے جنہوں نے طبعیات، ریاضی، الجبرا، جیومیٹری، طب، نجوم، فلکیات اور ارضیات وغیرہ مختلف فنون میں اپنی تحقیقات و معلومات کے انبار لگا دیئے۔ مثلاً عبدالمالک اصمعی نے گھوڑوں، اونٹوں بھیڑوں، جنگلی جانورں اور انسان کے جسم کے مختلف اعضاء کے افعال اور بناوٹ پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ ابوعثمان عمرو الجاحظ نے جانوروں کی ۳۵۰ انواع کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ عبدالقاسم الزاہراوی نے گردے سے پتھری نکلنے کا طریقہ بتایا۔ ابن نفیس نے انسانی جسم میں دوران خون کے بارے میں پہلی بار تحقیق کی اس کی یہ تحقیق آج بھی اسی طرح مقبول ہے۔ علی بن عیسٰی نے آنکھوں کی ۱۳۰ بیماریوں کا علاج دریافت کیا۔ البیرونی نے زمین کی پیائش کی اور اس کے ساتھ ہی سورج اور چاند کی گردش کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ اس کے علاوہ خالد بن یزید نے فردوس الحکمت فی علم الکیمیا کے نام سے کتاب لکھی۔ صنعتی کیمیا میں مسلمان سائنسدانوں نے اپنے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے خاص طور پر کاغذ کی صنعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح شیشہ سازی اور سرامکس میں اپنے علم کیمیا سے استفادہ کیا۔ نصیرالدین طوسی نے ہلاکو خان کے کہنے پر مراغہ میں ایک رصدگاہ تعمیر کی۔ یورپ کے ریاضی دانوں اور ماہرین علم ہیئت نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس رصدگاہ میں اجرام فلکی کے مشاہدے اور ریاضی و اقلیدس کے مسائل کے حل بارے میں ایسے آلات موجود تھے جو یورپ میں کوپرنیکس کے دور تک ناپید تھے۔ ریاضی، ہیئت اور اقلیدس کے علاوہ طوسی نے اخلاقیات اور فلسفے میں بھی بیش بہا کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ اخلاقیات میں طوسی کی کتاب ''اخلاق ناصری'' ارسطو کی کتاب ''اخلاقیات'' کے بعد سب سے زیادہ مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ اسی طرح فلسفے اور علم الکلام میں ''تجرید الکلام والعقائد'' کو اس کی عظیم تصنیف تصور کیا جاتا ہے۔ کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر جارج سالبہ نے ثابت کیا ہے کہ شمس الدین فخری جسے پندرھویں اور سولھویں صدی کا عالم دین اور مفکر مانا جاتا ہے وہ بہت بڑا فلکیات کا ماہر تھا۔ مسلمانوں کے علم کا خزانہ اسپین سے یورپ پہنچا۔ البیرونی، الکندی اور ابن الہثیم کی تحقیقات کا ترجمہ یورپی زبانوں میں ہوا جس نے یورپ کے سائنسدانوں کو تحقیق کی بنیاد فراہم کی۔ بقول سید حسین نصر:

''اسلامی سائنس اسلامی تہذیب کے آغاز ہی میں اپنے عروج پر تھی۔ مثال کے طور پر جابر بن حیان دوسری صدی کا آدمی ہے۔ آج تک الکیمیا جابر سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ نویں صدی تو ایک سے بڑھ کر ایک عظیم علمائے فلکیات اور ریاضی دان کام کر رہے تھے۔ دسویں صدی میں البیرونی اور ابن سینا جیسے عظیم لوگ برسرعمل تھے۔ پھر ایک طویل عرصے تک کئی صدیوں تک نشیب و فراز آتے رہے۔ پھر اسلامی تہذیب کی صلاحتیوں اور توانائیوں کے

دھارے نے رفتہ رفتہ اپنا رخ بدل لیا۔۱۵۰۰ء کے آتے آتے مغرب طاقت پکڑ چکا تھا۔انکشافات اور دریافتوں کا دور شروع ہو چکا تھا۔اہل یورپ نے امریکہ دریافت کر لیا۔پھر وہ افریقہ کے گرد چکر کاٹ کر بحر ہند عبور کر کے ایشیا کے ساحلوں تک پہنچ گئے لیکن وہ دارالاسلام میں داخل نہ ہو سکے۔اس زمانے میں دنیائے اسلام ایک بڑی طاقت تھی۔اس وقت دنیا کی طاقتور ترین سلطنتیں عثمانیوں اور صفویوں کی تھیں اور امیر ترین ہندوستان کی سلطنت مغلیہ تھی۔یہ تینوں مسلم سلطنتیں معاشی، سیاسی اور عسکری لحاظ سے اس وقت بھی بہت مضبوط، مستحکم اور طاقت ور تھیں، ان کے فنون کو دیکھیے۔تاریخ انسانیت کے عظیم ترین فن پارے اس دور میں تخلیق ہوئے۔آگرہ کا تاج محل، اصفہان کی شاہی مسجد، استنبول کی مسجد سلطان احمد، یہ فن تعمیر کے ان مٹ نقوش ہیں۔پھر خطاطی، ادبیات اور دوسرے فنون کے شاہکار ہیں جن کے نام گنوائے جا سکتے ہیں۔''(۱۸)

مسلمانوں نے جب حرص دنیا کی آرزو کی تو ان کا زوال شروع ہوا تاریخ اسلام میں جنگ احد میں جب مسلمان مال غنیمت لوٹنے کے لئے بھاگے تو انہیں نقصان اٹھانا پڑا اسی طرح مسلمان محققین نے جب تحقیق کا رخ لوہے کو سونے میں تبدیل کرنے کی طرف موڑ دیا تو وہ اپنے اصل مقصد سے بے خبر ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تحقیق کا جو کام انہوں نے شروع کیا ہوا تھا وہ ختم ہو گیا۔ہماری تمام تر توجہ تحقیق پر مرکوز ہونا چاہیے۔اپنے اسلاف کی غلطی کا تدارک کرنا بہت ضروری ہے ورنہ ہم دن بدن نئی نئی مشکلات کا شکار ہوتے جائیں گے۔

ہمارے قدیم طرز تعلیم میں یہ خوبی تھی کہ اس میں دنیوی تعلیم کو بھی ایک مذہبی فریضہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کا اصل مقصد مذہب اور اس کے زیر سایہ علوم وفنون کی تحصیل تھا اگرچہ انھوں نے فلسفہ یونان سے، ریاضیات برصغیر سے اور اسی طرح دوسرے علوم دوسری اقوام سے لئے لیکن ان میں ایسی تبدیلیاں لائی گئیں کہ ان کو نصاب درس میں شامل کیا۔یہی وجہ ہے کہ ان کو آج اسلامی علوم کا ہی حصّہ سمجھا جاتا ہے۔جس دن ہم فلسفہ کے درس کا آغاز ''و من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیر کثیرا'' سے کریں گے اسی طرح ہیت اور فلکیات کا درس ''یتفکرون فی خلق السموت و الارض، ربنا ما خلقت ھذا باطلا'' اور ''لتعلمو عدد السنین و الحساب'' سے یا طب و جراحی کی ابتدا ''شفاء للناس'' اور ''العلم علمان علم الادیان و علم الابدان'' سے کریں گے اسی طرح جغرافیہ کی ابتدا ''سیروا فی الارض'' اور تاریخ کی ورق گردانی میں ''لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب'' کو مدنظر رکھا کیا جائے گا اس دن ہماری کامیابی یقینی ہے۔اور یہ تب ہی ممکن ہوگا جب ہم دینی اور دنیوی علوم کو یکجا کریں گے۔اور تحقیق کے دروازے کو کھول دیں گے۔قرآن پاک نے انسان کو تحقیق کے لئے چیلنج کیا ہے۔ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ۔﴾(۱۹)

''اے گروہ جن وانس اگر تمھیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل

ہی نہیں سکتے۔''

ایک وقت تھا جب انسان سوچتا تھا کہ کشش ثقل سے باہر نکلنا مشکل ہے لیکن جب تحقیق کی اور اپنی عقل سلیم کو استعمال کرتے ہوئے انسان نے جہاز بنایا تو آج انسان نہ صرف کشش ثقل کی حدود سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ اب چاند اور دوسرے سیاروں پر جانے کا بھی سوچ رہا ہے۔قرآن کا یہ چیلنج تسخیر کائنات کے لئے ہے۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک مسلمانوں کی علم پر گرفت مضبوط رہی اس وقت تک وہ توحید کے قائل رہے اور شرک جیسی برائی سے دور رہے ان کے دلوں میں خوف خدا موجود تھا اور وہ انسانی بھلائی کے لئے کام کرتے تھے۔جب یورپ نے علم پر غلبہ حاصل کیا تو انھوں نے علم میں الحاد، بے دینی اور مادیت پرستی کو فروغ دیا۔ یہ علم خلق خدا کے فائدے کے بجائے ان کے استحصال کا سبب بنا۔آج یورپ خود اس بات پر پریشان ہے کبھی ایک تعلیمی پالیسی لے کر آتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد جب وہ ناکام ہو جاتی ہے تو پھر سے نئے تجربات شروع کر دیتا ہے۔ایک طرف تو اس کی کوشش تھی کہ مسلمانوں میں علماء، محققین، قانون کے ماہر، سائنس دان پیدا نہ ہوں کیونکہ وہ مسلمانوں کے عروج کو دیکھ چکا تھا مگر دوسری طرف اس کا یہ رویہ خود اس کے لئے عذاب بن گیا۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یورپ نے دنیاوی علوم میں ترقی کی مگر اخلاقی حوالے سے یورپ کا گراف نیچے گیا جس کو وہ آج محسوس کرتے ہیں مگر اب ان کے پاس کوئی راستہ نہیں جس طرح ہم نے پہلے ان کو روشنی دکھائی تھی اسی طرح اب بھی ہم ان کو دوبارہ روشنی دکھا سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اپنے نصاب تعلیم کو اس نہج پر لے جائیں جس کی وجہ سے قرونِ اولیٰ میں ہم عروج پر تھے اس عروج کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس وقت قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور دنیاوی علوم یکجا تھے۔اس طرح ہر علم وفن سرتاپا دین اور مذہب کے پیکر میں جلوہ گر ہوگا۔

قدامت پسندی نے مسلمانوں کے علمی تنزل میں بڑا کردار ادا کیا۔ان کا خیال تھا کہ بہت سے علوم مذہب کے خلاف ہیں لہٰذا ان علوم کی تحصیل مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔ عیسائیت نے بھی مذہب کی آڑ میں جدید علوم کی مخالفت کی۔گلیلیو نے جب یہ کہا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے تو کلیسا نے اس کو تختہ دار پر لٹکا دیا کہ یہ بائبل کے خلاف باتیں کرتا ہے۔اسی طرح مسلمان علماء نے فلسفے کے ساتھ کیا۔حکمران طبقے نے علماء سے ایک قدم آگے بڑھ کر فلسفے کی مخالفت کی۔عباسی خلیفہ نے کتب فروشوں پر فلسفہ کی کتابیں فروخت کرنے پر پابندی لگائی، ابن رشد کو خاندان عبدالمومن کی دارو گیر اور قید و بند کے خوف سے اپنی فلسفیانہ تصنیفات سے انکار کرنا پڑا۔اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ قرآن کریم صحیفہ ہدایت ہے اس میں عقائد، شرائع، عبادت اور اخلاقی تعلیم پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ یہ متعدد علوم وفنون کا سرچشمہ ہے۔جیسا کہ پہلے بھی قرآنی آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جن سے ہمیں سائنسی علوم کے علاوہ دوسرے علوم کے حوالے قرآن کریم میں ملتے ہیں۔تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ، فلکیات اور سائنس وغیرہ کے علوم کی بنیادیں بھی اس میں موجود ہیں اور خود قرآن پاک کو ان علوم کے بغیر سمجھنا مشکل ہے۔

سمجھائے کون بلبل غفلت شعار کو		محدود کرلیا ہے چمن تک بہار کو

قرآن کریم نے ان علوم کی بھی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کیا ہے۔مثلاً علم ہیئت کے بارے میں بتاتا ہے کہ اس سے ماہ وسال کا پتہ چلتا ہے، رات کو مسافر اسی سے راستہ معلوم کرتے ہیں۔اس سے نماز کے اوقات اور زمانہ حج کا تعین ہوتا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾(۲۰)

''سورج اور چاند ایک حساب مقرر سے چل رہے ہیں۔''

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔﴾(۲۱)

''اے محمد ﷺ لوگ تم سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے کہہ دو کہ وہ لوگوں کے کاموں کی معیادیں اور حج کے اوقات معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔''

اس کے علاوہ تقابل ادیان کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں ملتا ہے جس سے بحث ومناظرہ کے فن کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

طبابت کا علم عہد نبوی میں موجود تھا۔آپ ﷺ نے علم الانساب سیکھنے پر بھی زور دیا۔عسکری علوم خود آپ ﷺ نے دوسری اقوام سے حاصل کئے۔آپ ﷺ نے مسلمانوں کو غیر مسلموں سے تعلیم دلائی اور یہ حکم دیا کہ علم و دانش جہاں سے ملے اس کو حاصل کرو۔علامہ شبلی نعمانی اسی حوالے سے لکھتے ہیں کہ

''علماء کو اس بات کا مطلق خوف نہیں کرنا چاہیے کہ علوم جدیدہ مذہب اسلام کے برخلاف ہیں اور ان کی تعلیم سے عقائد مذہبی میں خلل آ جاتا ہے کیوں کہ جب امام غزالی کی طرح وہ ان علوم کو خود حاصل کریں گے تو ان کو وہ مسائل معلوم ہو جائیں گے جن میں مذہبی مخالفت کا احتمال پیدا ہوسکتا ہے۔اس صورت میں وہ ان مسائل کی تردید یا اسلام سے ان کی مطابقت بخوبی کرسکیں گے اور جدید تعلیم یافتوں کو مذہبی شکوک وشبہات سے محفوظ رکھ سکیں گے۔صاف ظاہر ہے کہ جب تک ہماری قوم کے علماء جدید علوم کو بذات خود حاصل نہ کریں، ناممکن ہے کہ وہ اعتراضات کا جواب دے سکیں۔جو یورپ کے ملاحدہ مذہب اسلام پر کرتے ہیں اور جن کا اثر ہماری قوم کے جدید تعلیم یافتوں پر پڑتا ہے۔'' (۲۲)

جب تک مسلمان علوم جدیدہ کو شجر ممنوعہ سمجھتے رہیں گے تب تک وہ دین کے تقاضے بھی نہیں پورے کرسکتے اور نہ ملک وقوم کی کوئی خدمت کرسکتے ہیں۔نصاب اور طریقہ تدریس میں جن تبدیلیوں کی ضرورت ہے ان کا بیان بھی ضروری ہے تاکہ اہل نظر اور تعلیمی پالیسی بنانے والے سنجیدگی سے اس پر غور کریں۔

نتائج بحث :

۱۔ تعلیم نے اپنا نظریہ فلسفہ،نفسیات،سوشیالوجی، مذہب اور اخلاقیات سے مستعار لیا ہوا ہے۔ان میں سے کسی ایک کو بھی تعلیمی نظریہ سے نکال دیا جائے تو تعلیمی نظریہ کی عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی بھی تعلیمی پالیسی وضع کرنے سے پہلے ان تمام علوم کے جدید نظریات کو مدنظر رکھا جائے۔ان علوم کے وہ حصّے جواب غیر ضروری ہیں جن کا تعلق براہ راست اب جدید تعلیم اور مذہب اسلام سے نہیں ان کو نصاب سے خارج کر دیا جائے اور کی جگہ ان علوم کے موجودہ زمانے کے مفید اور ضروری علوم کا اضافہ کیا جائے۔

۲۔ دین کی آگاہی کے لئے قرآن پاک کا فہم ضروری ہے۔قرآن پاک کے فہم کے لئے عربی زبان اور ادب سے واقفیت ضروری ہے۔عربی کے نصاب میں اس وقت جو کتب شامل ہیں ان پر بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے ان کتب میں جو بے سود عبارات ہیں اس کو نکال کر ان کی جگہ وہ نصاب شامل کیا جائے جو تکلف وتصنع سے خالی اور سادہ سلیس ہو، تاکہ عربیت کا ذوق پیدا ہو، اس طرح قرآن فہمی کی راہ ہموار ہو گی۔

۳۔موجودہ نصاب میں فنون کی معیاری کتب کو شامل کیا جائے۔خاص طور پر آرٹ اور خطاطی کا خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیے۔

۴۔یہ نکتہ جو اس وقت بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ دنیا ترقی کے عروج پر پہنچ چکی ہے ،مگر مسلمان ابھی تک تعصّبات کی دنیا سے باہر نہیں نکل سکے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ کے تمام مذاہب کی تعلیم دی جائے تاکہ طلباء میں وسعت ، رواداری ، جامعیت اور اجتہاد کی صلاحیت پیدا ہو۔

۵۔ موجودہ نصاب میں ایسی کتب بھی شامل ہیں جن میں نفس مسائل کے بجائے کثرت سے لفظی مباحث ہوتے ہیں اس طرح اصل مسئلہ نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔اس طرح کی کتب کو نصاب سے خارج کر دیا جائے

۶۔ موجودہ نصاب میں قرآن پاک کی تعلیم پر کم توجہ دی جاتی ہے محض تفسیر کے ایک دو صفحات پڑھا دینے کو کافی سمجھا جاتا ہے۔اس صورت حال کو بدلنے کی اشد ضرورت ہے۔

۷۔ جدید درسگاہوں میں بعض اختیاری اور غیر ضروری مضامین کی جگہ ان کے معیار کو باقی رکھتے ہوئے دین کی بنیادی اور ضروری تعلیم جس میں سیرۃ النبیؐ، خلفائے راشدین کے حالات اور اسلامی تاریخ کے واقعات سے بھی طلباء کو روشناس کروایا جائے تاکہ ان میں دین کا شعور ، قوم وملت کا درد پیدا ہو۔اس طرح موجودہ دور میں جو غلط خیالات نوجوان نسل کے ذہنوں میں پیدا ہو رہے ہیں ان کا سدباب ہوگا اور ان کے ذہن تعمیری کاموں کی طرف مائل ہوں گے۔ان کے دلوں میں دوسرے انسانوں کے لئے قربانی اور ایثار کا جذبہ پیدا ہوگا۔

۷۔قدیم اور جدید طرز کی درسگاہوں میں تربیت کا معقول نظام ہونا چاہئے تاکہ طلباء صبر واستقلال اور جفاکشی کا عملی

مظاہرہ کرسکیں۔ ان کے رہنے سہنے، کھانے پینے میں سادگی ہو اور وہ قناعت کے عادی ہوں۔ ان کی ہر ہر ادا سے اس کی خوبی و صداقت آشکار ہو۔ ان کی زندگی میں اسلام اس طرح آ جائے کہ دوسرے ان کو دیکھ کر اسلام کی عظمت کا خود اقرار کریں۔ جدید درسگاہوں میں اس کا انتظام ہوسٹل میں ہونا چاہیے۔ ہوسٹلوں میں کوچنگ سنٹر قائم کئے جائیں۔

۸۔ اساتذہ اپنے آپ کو علم و دین کا خادم سمجھیں اپنے آپ کو اجیر نہ خیال کریں اور صرف مقررہ اوقات میں تدریس دے دینے کو اپنی ذمہ داری نہ سمجھیں بلکہ ہمہ وقت طلباء کے ساتھ رابطے میں رہیں۔

۹۔ منتظمین کی ساری توجہ اپنے دفاتر کی آرائش و زیبائش پر ہوتی ہے ان کاموں میں بے دریغ روپے صرف کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ چھپروں اور درختوں کے زیر سایہ تعلیم دی جائے لیکن کفایت شعاری اور سادگی تعلیمی اداروں کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ اندیشہ کرتا ہوں وہ خواہشوں کی پیروی اور آرزو کی درازی ہے۔ خواہشوں کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور آرزو کی درازی آخرت کو بھلا دیتی ہے۔ اے لوگو! یہ دنیا کوچ کر چکی ہے اور جا رہی ہے اور آخرت کوچ کر چکی ہے اور آ رہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے پرستار ہیں۔ پس اگر ایسا کر سکو کہ دنیا کے پرستار نہ بنو تو ضرور ایسا کرو۔ اس وقت تم عمل کے گھر میں ہو جس میں حساب نہیں۔ کل آخرت کے گھر میں ہو گے جہاں کا کوئی موقع نہیں۔

۱۰۔ اساتذہ کو مطمئن اور یک گونہ فارغ البال بنائے بغیر تعلیمی اداروں کا نظام بہتر اور مستحکم نہیں بنایا جا سکتا۔ لیکن ہماری جامعات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعصب نے اساتذہ کو ایسی ذہنی الجھن میں ڈالا ہوا کہ وہ پوری طرح اپنے کام پر توجہ نہیں دے سکتے۔ جب تک حقدار کو اس بات کا یقین نہیں ہوگا کہ وہ اپنے حقوق کے تحفظ لئے جہاں بھی جائے گا وہاں اسے حق مل کر رہے گا اس وقت تک بہتری کی جانب قدم بڑھنا مشکل ہے۔ اس طرح اساتذہ اپنی کارکردگی بہتر بنانے پر توجہ دے سکتے ہیں۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں کو مثبت اہداف حاصل کرنے کے لیے بروئے کار لائیں اور دینی و دنیوی تفریق کو ختم کرتے ہوئے علمی جہاد میں شامل ہو جائیں تاکہ امت مسلمہ کو ان کا کھویا ہوا وقار دوبارہ مل سکے۔

حوالہ جات

۱۔بحوالہ تعلیمی زاویے، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن اسلام آباد۔ جلد نمبر ۱۹، شمارہ نمبر ۱ جنوری ۲۰۰۸ء ص ۳۔۸

۲۔القرآن، ۹۶: ۱۔۵

۳۔القرآن، ۳۹: ۹

۴۔القرآن، ۵۸: ۱۱

۵۔القرآن، ۳۵: ۲۸

۶۔مسلم: کتاب العلم

۷۔ترمذی، ابوعیسیٰ، سنن الترمذی، کتاب الفتن، اسلامی کتب خانہ دیوبند، انڈیا، ۱۹۸۵ء

۸۔مجلّہ علوم اسلامیہ ادارہ اسلامیہ علیگڑھ یونیورسٹی جلد ۲۴۔۲۵ شمارہ ۱۔۴، ۲۰۰۴۔۲۰۰۶، ص۔۷

۹۔عبدالرحمٰن ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون (مترجم سعد خان یوسفی) میر محمد کتب خانہ کراچی سن ندارد، ص ۱۵۵

۱۰۔القرآن، ۲: ۲۰۱

۱۱۔القرآن، ۱۴: ۳۲

۱۲۔ماہنامہ افکار معلم، لاہور جنوری ۲۰۰۹ ص۔۱۷

۱۳۔القرآن، ۳۵: ۲۷

۱۴۔القرآن، ۱۳: ۱۷

۱۵۔القرآن، ۳۵: ۱۲

۱۶۔القرآن، ۳۹: ۶

۱۷۔القرآن، ۱۶: ۴۸

۱۸۔ماہنامہ افکار معلم، لاہور جنوری ۲۰۰۹ ص۔۱۱۱

۱۹۔القرآن، ۵۵: ۳۳

۲۰۔القرآن، ۵۵: ۵

۲۱۔القرآن، ۲: ۱۸۹

۲۲۔شبلی نعمانی، خطبات شبلی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۶۵، ص ۹۰۔۹۱